ملک راحت سعید نسیم سوہدروی

ترمیم و اضافہ : مولانا عبدالستار رغانی

خلیفہ چہارم
حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے بیٹے تھے، نام زید، والدہ ماجدہ نے حیدر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رکھا۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ شجرہ نسب وہی ہے جو نبی اکرمؐ کا تھا کیونکہ حضورؐ کے چچا زاد بھائی تھے۔ کنیت ابوالحسن ابوتراب تھی، القاب مرتضیٰ، حیدر کرار، اسد اللہ اور فاتح خیبر تھے۔ والد اور والدہ دونوں طرف سے ہاشمی تھے۔

پرورش:

ابو طالب کثیر العیال تھے، جس سال مکہ میں قحط پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت عباسؓ کو ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس گئے تاکہ ان کے کچھ صاحبزادوں کو اپنے ساتھ لا کر ان کی پرورش کریں اور اس طرح ابو طالب کا بوجھ ہلکا ہو۔ ابو طالب نے بخوشی جعفر، حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیئے۔ اس طرح آپؓ کی پرورش آنحضرت صلعم کی زیر نگرانی ہوئی اور زمانہ جاہلیت کی آلودگیوں سے آپؓ محفوظ رہے۔

قبول اسلام:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان فرمایا تو حضرت علیؓ بالکل بچے تھے،

بعثت کے چوتھے سال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو اسلام کی طرف بلایا اور ان سے کہا کہ تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون بنتا ہے تو بچوں سے صرف حضرت علیؓ کی آواز آئی "گو میں عمر میں چھوٹا ہوں، میری ٹانگیں کمزور ہیں تاہم میں آپ کا معاون بنوں گا۔ اس طرح بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ نے اسلام قبول فرمایا پھر بعد کے حالات و واقعات نے ثابت کیا کہ حضرت علیؓ کی اسلامی خدمت بہت زیادہ ہے۔ ہجرت مدینہ کے وقت جب حضورؐ نے مکہ چھوڑنے کا ارادہ فرمایا تو آپؐ نے امانتیں واپس کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلایا۔ چنانچہ آپؓ صبح امانتیں واپس کر کے مدینہ ہجرت فرما گئے۔ ہجرت کے دو سال بعد ۲ھ کو حضور صلعم نے اپنی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شادی آپ سے کر دی۔ جو امام حسنؓ حضرت امام حسینؓ کی والدہ ماجدہ ہیں۔

شجاعت!

غزوات میں حضرت علیؓ نے وہ لافانی داستانِ شجاعت چھوڑی ہے۔ جو کتاب زمانہ پر سنہری حرفوں سے رقم ہو چکی ہے۔ آپؓ کی شجاعت کا پرچم مشرق و مغرب میں لہراتا تھا۔ غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شرکت کی۔ اس غزوہ میں عدم شرکت کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی ڈیوٹی مدینہ کی دیکھ بھال پر لگائی تھی۔ کئی غزوات میں اسلام کا پرچم آپ کے سپرد کیا گیا۔

فاتح خیبر!

جنگِ خیبر میں مسلمانوں نے سات قلعے فتح کر لئے مگر جو قلعہ یہودیوں کی طاقت کا اصل مرکز اور بیحد مضبوط تھا زوردار حملوں کے باوجود فتح نہ ہو سکا۔ اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کل اس شخص کے ہاتھ میں پرچم دیا جائے گا، جو قلعہ فتح کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ سعادت میرے حصے میں آئے۔ دوسرے روز تمام صحابہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے۔ تو آپؐ نے فرمایا، "علیؓ کہاں ہے؟" صحابہ نے عرض کی، "ان کی آنکھ خراب ہے اور گھر پر ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا بھیجا، جب آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعابِ مبارک حضرت علیؓ کی آنکھوں پر لگائی (اس کے بعد حضرت علیؓ کو زندگی بھر آنکھوں کی تکلیف نہ ہوئی) پھر آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا، جاؤ قلعہ پر ہلہ بول دو۔ حضرت علیؓ علم اسلام لے کر آگے بڑھے تو یہودیوں کا سردار مرحب جو بہت بہادر تھا آگے آیا۔ حضرت علیؓ نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر عام مقابلہ ہوا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے اور اس طرح یہ سعادت حضرت علیؓ کے حصے میں آئی۔ آپ کی شجاعت اور بہادری کا لوہا پورے عرب پر مسلم تھا حضرت علیؓ کی یہ ایک خصوصیت تھی کہ وہ ذاتی دشمنی پر انتقام نہ لیتے تھے بلکہ دین کے سلسلہ میں بدلہ لینا فرض سمجھتے تھے۔

انتخابِ خلافت

سخنہائے گفتنی:

یہاں پہنچ کر مخالفینِ اسلام یہودیوں کی رخنہ اندازیوں اور دشمنانِ دین سبائیوں کی ریشہ دوانیوں سے ہمیں ایک عجیب ناگفتنی صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے ؎

عجب دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
اگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

یعنی بدقسمتی سے مشاجرات کا دروازہ کھلتا ہے۔ صرف غلط فہمیوں کی وجہ سے باہمی تعلقات نہایت سنگین صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہمارے لئے چونکہ صحابہ کرامؓ کی جماعتِ مقدس، مشعلِ راہ اور روشنی کا مینار ہے اور "فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اھتدوا" کہہ کر ہمارے لئے ان کے ایمان کو معیار قرار دیا گیا ہے لہٰذا بریں اس موضوع پر کچھ کہنے سے قبل مندرجہ ذیل امور کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

۱۔ صحابہ کرام وہ پاکیزہ گروہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب آخر الزماں کی صحبت سے سرفراز فرمایا اور انہوں نے کٹھن حالات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھرپور ساتھ دیا اور انہی بزرگ و برتر ہستیوں کی بدولت دینِ اسلام، ہم تک پہنچا۔ اس لئے ضروری

ہے کہ ہم ان میں سے کسی ایک کی برتری اس طرح ثابت نہ کریں کہ دوسرے کی ردائے عظمت تار تار ہو، آبگینۂ منزلت کو آنچ پہنچے یا ان کے متعلق حسنِ عقیدت کو ٹھیس پہنچے۔ محبت والفت کے جذبات مجروح ہوں۔ وہ تمام ہمارے لئے، ضلالت کی اندھیری رات میں چمکتے ستارے اور حق و باطل کی شناخت کرنے کے لئے معیار اور کسوٹی ہیں۔ اگر ان میں کوئی کمی تھی بھی تو "رضی اللہ عنہ و رضوا عنہ" "عفا اللہ عنہم" کہہ کر قیامت تک ان کی شان کے خلاف لب کشائی پر مہرِ خاموشی ثبت کر دی۔

۲۔ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی انسان بھی معصوم عن الخطا نہیں۔ تمام "الانسان مرکب من الخطا والنسیان" کے مصداق ہیں۔ یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ کو بھی ہم معصوم نہیں کہہ سکتے۔ تاہم ان کے خطا و نسیان کے سلسلہ میں صرف وہی روایات مقبول ہوں گی جو محفوظ، صحیح اور متصل سند سے ثابت ہوں اور ان کی نشاندہی کی ضرورت بھی کسی مجبوری ہی کی بنا پر پیش آسکتی ہے اور نہ ہی ہر کس و ناکس کو اس کا اختیار حاصل ہے۔ پھر یہ بھی شرط ہے کہ ایسی کسی بات کی نشاندہی کرتے وقت کسی صحابی کے خلاف کوئی ایسا خیال دل میں نہ آنے پائے جو ان کے شایانِ شان نہ ہو یا جس سے "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کی چھاپ پر کچھ زد پڑتی ہو۔ لہٰذا ہر اس بات کو رد کر دیا جائے گا جس کو تسلیم کرنے سے ان کی عظمت مجروح ہوتی ہو، یا ان کے متعلق حسنِ ظن پر حرف آتا ہو۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے تاریخی مواد میں بیشتر روایات ایسی ہیں جو صحابہ کرامؓ کی جلالتِ شان سے صریح متصادم ہوتی ہیں اور دراصل ان کے پسِ منظر اعدائے صحابہ یعنی شیعوں یا سبائیوں کا ذہن کارفرما ہوتا ہے۔ پس ایسی روایات سے انکار کرنا دراصل صحابہ کرام کی شان کو کما حقہ تسلیم کر لینے کے مترادف ہے۔

۳۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بدقسمتی سے ہمارے تاریخی مواد میں کافی حد تک سبائیت اور شیعیت گھس آئی ہے۔ ہم تک اکثر حقائق ایسے لوگوں کے ذریعہ پہنچے ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق اپنا ذہن صاف نہیں رکھتے بلکہ بغض و عناد سے پر ہیں۔

مثلاً واقدی، ابو مخنف، محمد بن ہشام، ابو معشر، ہشام الکلبی وغیرہ۔ یہ تمام دروغ گوئی میں رئیس الکاذبین ہیں۔ ان کے قلب و ذہن پر شیعیت کی گہری چھاپ ہے۔ بنا بریں اگر ان سے مروی روایات کو نقد و جرح کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور حقیقت کی چھلنی میں چھانا جائے تو اصل واقعہ کم اور زیبِ داستان (چھان بورا) زیادہ نکلے گا۔ چنانچہ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"بیشتر وہ روایات جن میں صحابہ کرامؓ کے متعلق عمداً طعن و تشنیع پائی جاتی ہے وہ ایسے راویوں سے مروی ہے جو کذب بیانی اور دروغ گوئی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے جیسے ابو مخنف، لوط بن یحیٰی، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور ان جیسے دیگر جھوٹ بولنے والے راوی" (منہاج السنۃ، ج ۳ ص ۱۹)

۴۔ اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ جن مؤرخین نے تاریخ کو مدوّن کیا ہے وہ بلا شبہ ثقہ ہیں۔ لیکن انہوں نے تاریخی مواد کو حق و صداقت کے شکنجے میں نہیں کسا بلکہ ہر قسم کے رطب و یابس جمع کر کے یہ ذمہ داری ہمارے ناتواں کندھوں پر ڈال دی ہے کہ ہم ان روایات کی چھان بین کریں اور نقد و جرح کی کسوٹی پر انکو پرکھیں تاکہ اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

طبقات ابنِ سعد، تاریخ طبری، الکامل لابن اثیر اور البدایہ والنہایہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔ بعض مؤرخین نے اپنی جمع کردہ روایات کے متعلق مذکورہ حقیقت سے از خود ہمیں آگاہ کر دیا ہے اور بعض کے متعلق علماء امت نے فیصلہ دیا ہے کہ ان کتب کی تاریخی روایات کو "تہذیب و تنقیح" کی ضرورت ہے ... بخوفِ طوالت اور صفحات کی تنگ دامنی کے پیشِ نظر مذکورہ حقائق سے متعلق حوالجات سے ہم نے عمداً صرف نظر کی ہے۔

آمدم برسر مطلب:

۱۸۔ ذوالحجہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی المناک شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ مدینہ میں وہی لوگ چھائے ہوئے تھے جن کے دامن حضرت عثمانؓ کے خون سے داغدار تھے۔ صحابہ کرامؓ یا دیگر مسلم افراد اس المناک سانحہ کے بعد

دل برداشتہ ہو کر خلوت گزین ہو گئے۔ تمام نظم و نسق شرپسندوں کے ہاتھ میں تھا۔ مسلمان بیچارے مجبور تھے کہ خلافت کے متعلق سر جوڑ کر کچھ سوچ سکیں۔ مصر سے آئے ہوئے باغی حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور کوفہ کے شرپسند حضرت زبیرؓ کی خلافت کے خواہاں تھے جبکہ بصرے سے آمدہ بلوائی حضرت طلحہؓ کی خلافت پر مصر تھے۔ لیکن ان تینوں بزرگوں نے بارِ خلافت اٹھانے سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، "مجھے شرم آتی ہے کہ ایسا باعظمت شخص جس سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے، اس کی نعش (مبارک) ابھی بے گوروکفن پڑی ہو اور میں تم سے اپنی خلافت کی بیعت لوں۔ اسی طرح حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر یہ لوگ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس گئے کہ آپ ہی مسندِ خلافت پر فروکش ہوں۔ انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے بھی اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ شرپسندوں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو سوچا کہ اگر ہم خلافت کے متعلق کوئی فیصلہ کئے بغیر چلے گئے تو خطرہ ہے کہ ہم دھر نہ لئے جائیں۔

چنانچہ دوسرے دن بلوائیوں نے اعلان کر دیا کہ اگر تین دن کے اندر اندر ہم سے بیعت نہ لی گئی تو ہم حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تینوں کو تختہ دار پر لٹکا دیں گے اس کے بعد پھر وہ لوگ حضرت علیؓ کے پاس جمع ہو گئے اور بیعت لینے پر اصرار کیا۔ مفسدین کے سرغنے اشتر نخعی نے سب سے پہلے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی اور بعض صحابہؓ نے بھی مزید فساد سے ڈرتے ہوئے مصلحت کے پیشِ نظر.. حضرت علیؓ کی بیعت کو قبول کر لیا۔ ۲۱ ذوالحجہ کو خلافت کا اعلان کیا گیا۔ بعض روایات میں ۲۴ ذوالحجہ کو بیعتِ عام ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد غافقی بن حرب مدینہ کا امیر رہا۔ حضرت علیؓ کی خواہش کے مطابق کہ میری بیعت خفیہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی مرضی سے ہونی چاہیئے بالخصوص حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جو سابقین میں ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ ان کی میرے متعلق کیا رائے ہے؛ چنانچہ اشتر نخعی اور اس کے ساتھی حضرت طلحہؓ کے پاس گئے اور حضرت علیؓ کی بیعت کرنے کے متعلق کہا، انہوں نے فرمایا کہ چونکہ شوریٰ نے جمع ہو کر یہ فیصلہ نہیں کیا، لہٰذا مجھے معذور سمجھا جائے۔ لیکن انہوں نے زور دیا کہ آپ بہرحال بیعت کریں۔ آخر کار آپؓ بادلِ نخواستہ وہاں گئے اور بیعت کی۔ اسی طرح

حضرت زبیر رضؓ کو بھی بیعت کے لئے مجبور کیا گیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ یہ بیعت تو تلوار کے زور سے ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ یہ "نفوسِ قدسیہ" غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے۔ چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضؓ کی ایک معتد بہ جماعت ایسی تھی جنہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی۔

اور جنہوں نے بیعت کی تھی، وہ اس شرط پر کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی حدیں نافذ کی جائیں۔

شام کا تمام علاقہ حضرت علیؓ کی بیعت سے کنارہ کش رہا، مدینے کے بیشتر افراد اسی خطرے کے پیشِ نظر شام چلے گئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے خلافت علی کی اس حیثیت کا بڑی شدت سے احساس کیا۔ بلاشبہ حضرت علیؓ کی خلافت سابقہ تینوں خلفاء کی طرح برحق تھی۔ تاہم اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس سلسلہ میں وہ لوگ پیش پیش تھے جن کے ہاتھ خونِ عثمانؓ سے رنگین تھے اور اب اس لئے تگ و دو کر رہے تھے کہ مستقبل میں ان کا اپنا تحفظ ہو سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے انتخاب میں مسلمانوں کی آزادانہ رائے اور اہلِ شوریٰ کے مشورے کو کوئی دخل نہ تھا۔

حضرت علیؓ کی مشکلات :

یہ ہم بتا آئے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی اکثریت نے خلافتِ علیؓ کے فیصلہ کو اس لئے درست نہ سمجھا کہ قاتلینِ عثمانؓ اس معاملہ میں پیش پیش تھے۔ مزید برآں خلافت میں ان کی شرکت نے مزید کشیدگی پیدا کر دی۔ لوگوں کا مطالبہ تھا کہ قاتلینِ عثمانؓ کا محاسبہ کر کے انہیں کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے، لیکن افسوس کہ ایسا نہ کیا گیا، کیونکہ حضرت علیؓ بھی اس سلسلہ میں مجبور تھے۔

خلافت کے دوسرے دن حضرتِ طلحہؓ اور حضرتِ زبیرؓ، حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ جس شرط پر ہم نے بیعت کی تھی اس کو پورا کیا جائے۔ یعنی قاتلینِ حضرت عثمانؓ سے قصاص لیا جائے۔ آپؓ نے جواب میں فرمایا کہ ابھی

خلافت نازک اور سنگین حالات سے دوچار ہے، خلافت مستحکم ہو جانے کے بعد قاتلینِ عثمان رضؓ سے ضرور قصاص لیا جائے گا۔ یہ گفتگو بلوائیوں اور سبائیوں پر نہایت شاق گذری کہ اب ہم نہیں بچ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے خلافت کے تیسرے دن ہی، حضرت علی رضؓ کے حکم سے سرتابی کا آغاز کر دیا۔ جب حضرت علی رضؓ نے ان کو مدینہ خالی کر دینے اور اپنے گھروں کو واپس ہو جانے کے متعلق کہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

اس صورتِ حال کو دیکھ کر کہ قاتلینِ عثمان رضؓ مدینہ کی گلیوں میں دندناتے پھر رہے ہیں اور حضرت علی رضؓ کا حکم بھی نہیں مانتے، حضرت علی رضؓ سے، حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ نے کہا کہ چونکہ بصرہ اور کوفہ میں ہمارا اثر و رسوخ ہے، آپ ہمیں ان ولایات کا امیر مقرر کر دیں ہم ان باغیوں سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ لیکن حضرت علی رضؓ نے بعض ناگزیر حالات کے پیشِ نظر کچھ توقف کیا۔

اگر حضرت علی رضؓ خلافت کے سلسلہ میں بلوائیوں کو ترجیح دینے کے بجائے صحابہ کرام رضؓ اور دیگر مسلمین کے مشورے پر عمل فرماتے اور قاتلینِ عثمان رضؓ کے بارہ میں سختی سے کام لیتے، مطالبہ قصاص کو مان لیتے اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر عامۃ المسلمین کا تعاون حاصل کرنے تو اس قدر مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

قارئین کی خدمت میں

. . . التماس ہے کہ زیرِ نظر شمارہ جلد نمبر ۶ کا آخری شمارہ ہے۔ اگلے ماہ سے بحمد اللہ ترجمان کی ساتویں جلد کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس ماہ اکثر خریداروں کی سالانہ رقوم ختم ہو رہی ہیں۔ ہم نے ان کی اطلاع کے لئے ان کے پرچے پر "آپ کا چندہ ختم ہے" کی مہر لگا دی ہے۔ لہٰذا ان سے درخواست ہے کہ اولاً تو اپنا سالانہ زرِ تعاون مبلغ نو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر ہذا کے نام ارسال فرما دیں یا پھر آئندہ شمارہ بذریعہ وی۔پی وصول کرنے کیلئے تیار رہیں۔ اگر آپ خدانخواستہ آئندہ خریداری کا ارادہ نہیں رکھتے تو فوراً مطلع